علامہ اقبالؒ اور میاں محمد بخشؒ میں فکری مماثلت

ہارون
Haroon
Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.
ڈاکٹر محمد ارشد اویسی
Dr. Muhammad Arshad Ovaisis
Head, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Mian Muhammad Baksh and Allama Muhammad Iqbal were great poets and philosophers of Sub-Continent. Their poetry has great importance for us. Their philosophical thoughts and poetry have changed the lives of the people of this region. There are many common points in views of these poets. In this research article an effort has been made to show similarities of views among these two great poets and philosophers

علامہ اقبالؒ اور میاں محمد بخش وہ عظیم شعرائے کرام ہیں جن کے متعلق لکھنے کے لیے بصارت کے ساتھ ساتھ عمیق فکری بصیرت کی بھی ضرورت ہے۔جس کے لیے تحقیق اور تلاش ہی وہ کٹھن راستے ہیں جن پر چل کر علم و معرفت کے نتائج بے بہا سے صرف چند گراں قدر موتی ہاتھ لگ سکتے ہیں۔عام طور پر ہم اقبال کو صوفی شعرا میں شامل نہیں کرتے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے صوفی کا ایک روایتی تصور قائم کیا ہوا ہے۔اس تصور کی روشنی میں ہمیں اقبال صوفی شاعر نظر نہیں آتے۔لیکن جب ہم صوفی کے روایتی تصور سے نکل کر حقیقت تک رسائی حاصل کرتے ہیں تو اقبال ہمیں اپنے مرشد مولانا جلال الدین رومیؒ کی انگلی تھامے ہوئے تصوف کی منزل کی جانب گامزن نظر آتے ہیں۔

> ’’صوفی کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔اس کا کلام نہ صرف دلوں پر اثر کرتا ہے بلکہ سینہ بہ سینہ محفوظ رہتا ہے۔‘‘(۱)

حضرت میاں محمد بخشؒ

میاں محمد بخش ایک عظیم صوفی شاعر تھے۔ ان کا دل عشقِ رسولؐ سے لبریز تھا۔ آپ ''عارف کھڑی'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ پنجابی ادب میں آپ کا وہ ہی مقام ہے جو اردو ادب میں علامہ اقبال کا ہے۔ میاں محمد بخش ببر پور کے علاقے کھڑی کے ایک گاؤں چک ٹھاکرا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد میاں شمس الدین ایک صوفی انسان تھے۔ میاں محمد بخش کو بچپن ہی سے ایک پاکیزہ اور پر فضا ماحول میسر آیا۔ آپ سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔

> ''میاں محمد بخش کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ آپ نے زمانے کے اتار چڑھاؤ دیکھے۔ بہت سفر کیے۔ اپنے مشاہدات اور کیفیات کو ظاہر کرنے کے لیے پنجابی شاعری کا انتخاب کیا۔''(۲)

آپ ہر وقت عبادت میں مصروف رہتے۔ آپ کی ساری زندگی زہد و ریاضت میں گزری۔ یتیموں، بے کسوں اور بیواؤں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ میاں محمد بخش خوش الحانی سے شعر پڑھتے تھے اور شعر سننے میں بھی حد درجہ دلچسپی تھی۔ میاں محمد بخش نے ۱۹۰۷ء میں وفات پائی۔ آپ نے اٹھہتر برس عمر پائی۔

علامہ اقبال کی شخصیت اور ماحول

علامہ اقبال کی نشو ونما خالص اسلامی ماحول میں ہوئی۔ گھر کا ماحول نہایت سادہ اور پاکیزہ تھا۔ آپ کے والد شیخ نور محمد اسم با مسمّٰی صوفی منش بزرگ تھے۔ وہ شریعت اور طریقت کے نکات و رموز کے علاوہ تصوف کی پیچیدگیوں کو بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ بقول ڈاکٹر جاوید اقبال:

> ''چونکہ وہ فکر کی عادت کے علاوہ تصوف کی پیچیدگیوں سے بھی آشنا تھے۔ اس لیے بعض ہم عصر اکابر انہیں ان پڑھ فلسفی کہتے تھے۔ بعض لوگ تصوف کی کتابوں کے مشکل مطالب کی تشریح کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔''(۳)

مولانا سید میر حسن جیسے عالم فاضل بزرگ کی محبت کا اثر تھا کہ اسلامی تصوف اقبال کی شاعری کا بہترین سرمایہ بنا۔ وہ تمام خیالات جن سے خودی کو تقویت حاصل ہو۔ اقبال کے نزدیک مستحسن ہیں۔ اقبال ایسے صوفی شعرا کو ناپسند کرتے ہیں جن کا کلام گوشہ نشینی، سکون پرستی اور عمل سے گریز کی تعلیم دیتا ہے۔ مولانا رومؒ کو اپنا پیر و مرشد اسی وجہ سے مانتے ہیں کہ ان کی شاعری خودی کے ارتقا میں مدد و معاون ہے۔ ان کے نزدیک تصوف دل کی طاقت کا نام ہے۔ اقبال تصوف کو اخلاص علم قرار دیتے ہیں۔ تصوف کا یہی تصور میاں محمد بخشؒ کے ہاں پوری شد و مد کے ساتھ نظر آتا ہے۔ اقبال اور میاں محمد بخش کے نزدیک خانقاہی تصوف غیر اسلامی ہے۔ ڈاکٹر غلام حسین اظہر لکھتے ہیں:

> ''یہ فعال تصور انہیں مولانا رومؒ کی روایت سے وابستہ کرتا ہے۔''(۴)

تصوف

اس میں کوئی دورائے نہیں ہے کہ اقبال اس تصوف کے خلاف ہیں جو غیر اسلامی ہو۔ ایسا تصوف جو لوگوں کو لذت پرستی اور عمل سے گریز کی تعلیم دے۔ اقبال نے ہمیشہ رہبانی تصوف کی مخالفت کی اور فقر شبیری کا درس دیا۔

''اک فقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری
میراث مسلمانی سرمایہ شبیری''(۵)

''نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری''(۶)

اقبال کے نزدیک اسلامی تصوف انسان کی خوبیوں کو نکھارتا ہے۔ یہ تصوف کا تزکیہ نفس کرتا ہے۔ اس میں زندگی کا حرکی نظریہ پایا جاتا ہے۔ اقبال مختلف صوفیوں کے مزارات پر حاضری دیتے تھے۔ ان کے وسیلے سے دعائیں بھی مانگتے تھے۔ تصوف دراصل تسخیر زمان و مکان کا عملی طریقہ ہے۔ علامہ اقبال بھی میاں محمد بخش کی طرح سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔ یہ دونوں صوفیا مولانا رومیؒ کو اپنا پیر و مرشد تسلیم کرتے تھے۔ میاں محمد بخش اپنے روحانی مرشد ہیرا شاہ غازیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''پیر میرے دی دھوم چوفیرے آون ولی سلامی
چُمن خاک کریندے خدمت دعویٰ رکھ غلامی''(۷)

اقبال کو اپنے روحانی مرشد مولانا رومؒ سے جو عقیدت ہے اس حوالے سے کہتے ہیں:

''تو بھی ہے اسی قافلہ شوق میں اقبال
جس قافلہ شوق کا سالار ہے رومیؒ''(۸)

میاں محمد بخش بھی مولانا رومیؒ کی عظمت کے گن گاتے ہیں:

''جے اوہ مرشد مہریں آوے جوٹھا گھٹ پیالے
مُلا رومیؒ والے مینوں سخن سکھالے''(۹)

علامہ اقبال اور میاں محمد بخش دونوں فلسفہ وحدت الوجود کے قائل دکھائی دیتے ہیں۔ یہ دونوں کائنات کے ذرے ذرے میں نور حقیقی کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ میاں محمد بخش اس بات کو یوں بیان کرتے ہیں:

''آپ مکانوں خالی اس تھیں کوئی مکان نہ خالی
ہر ویلے، ہر چیز محمد رکھدا نِت سنبھالی''(۱۰)

علامہ اقبال کے نزدیک بھی جس طرف نظر اٹھے گی اسی طرف وہ جلوہ حقیقی کا نظارہ کرے گی۔

''حسن ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
انسان ہیں وہ سخن ہے، غنچے میں وہ چٹک ہے''(۱۱)

میاں محمد بخش اور اقبال انسان کی عظمت کے قائل ہیں۔ دونوں امید کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ دونوں نے اسلامی تصوف کو انسان کی مادی اور روحانی ضروریات کا علاج بتایا ہے۔ میاں محمد بخش خود کو اپنے مرشد کے ہاتھوں میں ایک جانور کی طرح بتاتے ہیں۔ اقبال تربیت خودی کے تین مراحل بیان کرتے ہیں: پہلا مرحلہ اطاعت، دوسرا مرحلہ ضبط نفس اور تیسرا نیابت الٰہی ہے۔ میاں محمد بخش بھی اپنی تصنیف ''سیف الملوک'' کے ہیرو کو توحید، استغفار اور فقر کے عنوانات سے ان مراحل سے گزارتے ہیں۔ وہ مرشد کامل کی اہمیت یوں بیان کرتے ہیں:

''مرد ملے تاں درد نہ چھوڑے اوگن دے گن کردا
کامل لوگ محمد بخشا لعل بنان پتھر دا''(۱۳)

جب عاشق لاالہٰ کی ریاضت وعبادت میں ہر چیز کی نفی کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی ذات کو بھی تو اسے عشق حقیقی اور عشق مجازی سب ایک ہی نظر آتے ہیں۔ اس کی مرضی رضائے الٰہی کے تابع ہو جاتی ہے۔ اس طرح تکمیل خودی کا مرحلہ طے ہو جاتا ہے۔ اس طرح انسان کا نفس زمان ومکان کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کو بصیرت کے ساتھ ساتھ بصارت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ بصیرت فقر ہے۔ یہ فقر عطیہ خداوندی ہے۔ میاں محمد بخش فرماتے ہیں:

''بعد فنایوں باقی ہوناں کی جاناں اس باتوں
نویں کتاب بنے جے لکھاں باتاں نفی اثباتوں''(۱۴)

جب بندہ مومن میں شان فقر پیدا ہو جاتی ہے تو ساری دنیا اس کی غلام بن جاتی ہے۔ وہ حقیقی معنوں میں سلطانی کے درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ اقبالؒ کہتا ہے:

''جو فقر ہوا تلخی دوراں کا گلہ من
اس فقر میں باقی ہے ابھی بائے گدائی''(۱۵)

میاں محمد بخش فرماتے ہیں کہ اگر تم ہمت سے کام لو گے تو یقیناً محبوب سے ملاقات ہو گی۔ یہی فقر کا نصب العین ہے۔

تصورِ عشق

اقبال کے ہاں عشق کا مفہوم اپنے مقصد سے لگن ہے۔ خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں:

''اقبال نے عشق کے مفہوم میں بڑی گہرائی اور وسعت پیدا کر دی ہے۔ وہ اس بارے میں عارف رومیؒ کا شاگرد رشید ہے۔''(۱۶)

علامہ اقبال اور میاں محمد بخش کے فلسفہ عشق میں گہری مطابقت پائی جاتی ہے۔ دونوں کے

نزدیک عشق ہی انسان کا رہبر ہے جو اسے منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔ محمد خلیل ثاقب میاں محمد بخش کے تصورِ عشق کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

''آپ کے نزدیک ایمان اور عشق دونوں ایک ہی شے کے نام ہیں۔''(۱۷)

عشق نور ہے اور نور کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ تصوف میں دو اصطلاحیں بہت زیادہ عام ہیں: ایک عشق مجازی اور دوسری عشق حقیقی۔ عشق مجازی تصوف میں عشق حقیقی تک رسائی کے لیے ایک زینہ ہے۔ اس طرح صوفی کائنات کے رموز سمجھ کر لوگوں کو سمجھانے لگ جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے عشق کی بدولت فن سخن گوئی میں کمال حاصل کر لیتا ہے۔ فن کی آبیاری کے لیے خونِ جگر کی ضرورت ہوتی ہے۔ خلوص نیت اور جذبہ پیہم کے بغیر فن بے روح جسدِ خاکی مانند ہے۔ شاعر لوگ ویسے بھی عام لوگوں سے زیادہ حساس طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کا دل سوز سے لبریز ہوتا ہے۔ شاعر اپنی زبان سے جو کچھ کہتا ہے سوزِ قلب کا نتیجہ ہوتا ہے۔ میاں محمد بخش کہتے ہیں:

''جس وچہ گجھی رمز نہ ہووے درد منداں دے حالوں
بہتر چپ محمد بخشا سخن اجیہے نالوں''(۱۸)

''درد منداں دے سخن محمد دیہن گواہی حالوں
جس پلے پھل بدھے ہوون آوے بو رومالوں''(۱۹)

عشق حقیقی کی بدولت عاشق کو وہ قوت نصیب ہوتی ہے جو اسے زمان و مکاں کی قیود سے آزاد کرتی ہے۔ عشق کا باطنی پہلو نورانی ہے۔ تصوف میں عشق کا سفر پروانے کے سفر جیسا ہے۔ پروانہ خود کو آگ میں جلا کر روشنی میں تبدیل کرتا ہے۔ اقبال نے اس کو ''تغیر'' کا نام دیا ہے:

''فریب نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرہ کائنات''(۲۰)

میاں محمد بخش اس سفر کو عشق کا نام دیتے ہیں:

''عشق نچاوے تھیا تھیا چھنکن پیریں سنگل
قید چھٹے تاں اس لکھ لُٹی ڈھونڈاں ندیاں جنگل''(۲۱)

جذبہ عشق کے سامنے کائنات کی وسعتیں سمٹ جاتی ہیں۔ میاں محمد بخش کے نزدیک عشق کا سفر حیات بعد از موت کا سفر ہے۔ اس سفر میں عاشق کو معلوم ہوتا ہے کہ موت عارضی ہے اس موت کے بعد اک نئی صبح طلوع ہونے والی ہے۔ اس سے اس میں عمل کی قوت بڑھتی ہے۔ کوئی مشکل مشکل نہیں رہ جاتی۔ اقبال کے نزدیک عشق اور عقل دونوں ہی سالار قافلہ ہیں۔ لیکن عقل انسان کو مختلف وسوسوں میں ڈالتی ہے۔ جب کہ حقیقی رہنمائی عشق کرتا ہے۔ عشق کی بدولت ناممکن ناممکن نہیں رہتا۔ اقبال کہتا ہے:

''علم بے عشق است از لی تاغوتیاں
علم باعشق اس از لاہوتیاں''(۲۲)

''اک دانش نورانی ، اک دانش برہانی
ہے دانش برہانی ، حیرت کی فراوانی''(۲۳)

عشق کی بدولت کائنات کی کوئی چیز ناممکن نہیں رہ جاتی۔ یہ دونوں صوفی شعرا عقل کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ اس کو جہالت کی تاریکی دور کرنے کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ کائنات کی تسخیر میں قدم قدم پر عقل انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔ لیکن خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت کے لیے بھی عشق ضروری ہے۔ میاں محمد بخش فرماتے ہیں:

''جے لکھ زہد عبادت کریئے بن عشقوں کس کاری
جاں جاں عشق نہ ساڑے تینوں تاں تاں نبھے نہ یاری''(۲۴)

عشق کا سفر لحہ بہ لحہ روحانی ارتقا کا سفر ہوتا ہے۔ جس میں کوئی مایوسی اور ناامیدی نہیں ہوتی۔ اس لیے محمد بخش فرماتے ہیں:

''جے توں طالب راہ عشق دا چھڈ وہماں وسواساں
ہمت دا لک بنھ محمد رکھ آساں پیا پاساں''(۲۵)

ناامیدی زندگی کے حق میں زہر قاتل ہے۔ امید سے زندگی محکم ہوتی ہے۔ آرزو عشق کی پہلی منزل ہے۔ علم کے ساتھ عشق بھی ضروری ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

''زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل او در آرزو پوشیدہ است''(۲۶)

مقصد کے بغیر تو عمل ہوتا ہی نہیں ہے اور مقصد آرزو سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ آرزو تخلیق کو بنیاد فراہم کرتی ہے۔ امید زندگی کی علامت ہے اور ناامیدی موت کی علامت ہے۔ یہ دنیا تمناؤں اور خواہشات کی بدولت ہی خوبصورت ہے۔ ان آرزوؤں سے عشق پیدا ہوتا ہے۔ عشق ایک آگ ہے۔ اس عشق کی بدولت انسان خدا کا نائب بن جاتا ہے۔ عشق کی معراج ہی یہ ہے کہ عاشق محبوب کے رنگ میں رنگ جائے۔ مسلمانوں کے لیے اتباعِ رسول اور تقلیدِ رسول عشق کی بنیاد ہیں۔

میاں محمد بخش فرماتے ہیں کہ یہ عشق کا ہی معجزہ ہے کہ امام حسین نے خنجروں کے وار سہہ لیے لیکن اف تک نہ کی۔ ان کے نزدیک عشق کی معراج فنافی الرسول کا مرتبہ ہے۔ آپ کے نزدیک تسخیر کائنات کا فریضہ عشقِ رسول کے بغیر ناممکن ہے۔ اقبال کہتا ہے:

''لوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب''(۲۷)

میاں محمد بخش فرماتے ہیں:

''کرسی عرش نہ لوح قلم سی ناں سورج چن تارے
تاں بھی نور محمد والا دیندا سی چمکارے''(۲۸)

دونوں صوفی شعرا عشق رسول کو ہر مشکل کا حل سمجھتے ہیں اور فنافی الرسولؐ ہونا اپنے لیے باعث افتخار سمجھتے ہیں۔

تصورِ مردِ کامل

میاں محمد بخش اور علامہ اقبال اپنے دور کے انسانوں کے اخلاق اور کردار سے مطمئن نہ تھے۔ یہ دنیا دونوں صوفی شعرا کے نزدیک ایک لوگوں کا جنگل ہے۔ جس میں لوگ اپنی منزل کو بھلا کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ میاں محمد بخش فرماتے ہیں:

''کدھرے نظر نہ آوے کوئی بھرے پیالے والا
جے دسے تاں ورتے ناہیں ہک گھٹ نوالا''(۲۹)

انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہترین انداز پر تخلیق کیا۔ اس کو علم سکھایا، پھر اس کو فرشتوں پر برتری دی۔ بقول اقبال:

''عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے''(۳۰)

اقبال کے نزدیک خودی کا تحفظ زندگی کا تحفظ ہے اور خودی کا استحکام زندگی کا استحکام ہے:

''خودی کا سرِ نہاں لَا اِلٰہَ اِلا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لَا اِلٰہَ اِلا اللہ''(۳۱)

یہ لفظ اقبال کے ہاں غرور تکبر کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ اس سے مراد احساس نفس اور تمیین ذات کا احاطہ ہے۔

''خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے''(۳۲)

انسان خدا کا نائب ہے۔ توحید کا راز اس پر عیاں کرنے والی قوت کا نام خودی ہے۔ اس کی مدد سے مومن جوہر ملکوتی کو پالیتا ہے۔ تمام دنیا کی قوتیں اس کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہیں۔ میاں محمد بخش بھی انسان کے لیے اسی عشق کو ضروری خیال کرتے ہیں:

''خاص انسان انہاں نوں کہیے جنہاں عشق کمایا
دھڑ سر نال نہ آدم بندا جاں جاں سر نہ پایا''(۳۳)

اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کی آب وتاب اور اپنی شان اس انسان ہی کے ذریعے نمایاں کی ہے۔ مردِ کامل اس زمین پر سنت رسولؐ کا وارث اور سیرت رسول کا نمونہ ہے۔ میاں محمد بخش کے مطابق انہوں نے قصہ سیف الملوک لکھا تا کہ لوگ اس کو پڑھ کر ہمت اور حوصلہ حاصل کریں اور زندگی کے میدان میں آگے بڑھیں۔

''قصہ سیف ملوکے والا اس کارن کہناں
طالب ہمت کر کے چلے روانہ رکھے بنہاں''(۳۴)

اقبال کے نزدیک وہی طالب صاحب امروز ہے:

''وہ ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا''(۳۵)

مردِ کامل ہر طرح کی برائیوں سے اپنا دامن بچاتا ہے۔ اس پر محبوب حقیقی کا خاص کرم ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ زمین پر خدا کا خلیفہ ہے۔ شمس وقمر اور جن وملائک اس کے تابع ہیں۔ ظاہری طور پر وہ دنیا میں رہتا ہے باطنی طور پر وہ اپنا رشتہ خدا سے استوار رکھتا ہے۔ میاں محمد بخش فرماتے ہیں:

''جنہاں دلبر پایا اونہاں ناں پرواہ کسے دی
وچہ گوشے توحید انہاندے ناہیں جاء کسے دی''(۳۶)

یہ مردِ کامل پانی کے طوفانوں میں محفوظ رہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی خودی استوار کر چکے ہوتے ہیں:

''دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے''(۳۷)

مردِ کامل برتر ذات صرف اللہ تعالیٰ کو شمار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے صلے میں کائنات کی تمام چیزیں اس کے تابع کر دیتا ہے۔ مردِ کامل ہر وقت ذکر وفکر میں مگن رہتا ہے۔ ذکرِ الٰہی انسان کو عمل کی جانب ابھارتا ہے۔ مردِ کامل رہبانیت پسند نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی اس کی طرف سے آنکھیں بند کیے رکھتا ہے۔ مردِ کامل کے باطن میں عشق کی آگ پوشیدہ ہے۔ فقر اور عشق کے امتزاج کا مردِ کامل مرکب ہے۔ اقبال نے مردِ مومن کا تصور قرآن کریم اور مولانا رومیؒ سے اخذ کیا ہے۔ اقبال کا مردِ کامل اور میاں محمد بخش کا مردِ کامل دونوں قرآن سے ہم آہنگ ہیں۔ مردِ کامل کے بارے میں میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

''جے ہک آہ درد دا مارن ہوندا ملک ویرانی
کوہ قافاں دے سبزے سڑدے ندئیں رہے نہ پانی'' (۳۸)

بقول اقبال:

''جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفسی ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں'' (۳۹)

میاں محمد بخش اور علامہ اقبال کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے ارادہ اور عمل میں خاص حد تک اختیار دیا ہے۔ ایک متحرک قوت کی حیثیت سے وہ اپنے اعمال و افعال میں آزاد ہے اس لیے وہ اوہام پرستی کے خلاف ہیں۔ مرد کامل اپنی تقدیر کا حال ستاروں سے معلوم نہیں کرتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے دستِ زریں پر بھروسہ کرتا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

''ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخیٔ افلاک میں ہے خوار و زبوں'' (۴۰)

اسی بات کو میاں محمد بخش یوں بیان کرتے ہیں:

''دل وچہ کرے دلیل شہزادہ کی کم کرسن تارے
آپ تخت توں ڈھینڈے جاندے ہو غریب بیچارے'' (۴۱)

انسان کے اندر وہ مخفی قوت موجود ہے جسے وہ عشق کی آگ سے پختہ کر کے انسان کامل کے رتبے کو پہنچ جاتا ہے۔ اقبال اور میاں محمد بخش دونوں ارتقا پسند ہیں۔ انسان کی منزل مقصود خدا ہے۔ اس لیے زندگی کا سارا لطف اسی جدوجہد اور سفر میں ہے۔ اقبال اور میاں محمد بخش کے مرد کامل کے اندر تمام خصوصیات مشترکہ ہیں۔ وہ دنیا میں کامل ترین صفات کا نمونہ ہے۔ وہ حقیقی معنی میں خدا کا نائب ہے۔

تصورِ اخلاق

بنی نوع انسان کی اصلاح کے لیے جتنے بھی پیغمبر اور رسول آئے سب کا مقصد انسانیت کو اخلاقیات کی تعلیم دینا تھا۔ دنیا کا کوئی معاشرہ اس وقت تک مہذب نہیں کہلا سکتا۔ جب تک اخلاقی نقطہ نگاہ سے وہ بلندی پر فائز نہ ہو۔ میاں محمد بخش نے اپنے کلام میں محبت، اخوت اور امن و سلامتی کا درس دیا۔ یہی پیغام اقبال کی شاعری سے اخذ کیا جاتا ہے۔ مولانا رومیؒ اور اقبال کے درمیان میاں محمد بخش کی شاعری ایک کڑی کی حیثیت رکھتی ہے۔ دونوں شعرا کے والدین اور اساتذہ کرام کا ان کی شخصیات پر گہرا اثر تھا۔ میاں محمد بخش اور اقبال دونوں اپنی ہر حاجت اللہ کے ہاں دعا کی شکل میں پیش کرتے تھے اور اپنی عاجزی و انکساری کا اللہ کے سامنے اظہار کرتے تھے۔

''رحمت دا مینہ پا خدایا باغ سکا کر ہریا
بوٹا آس امید میری دا کر دے میوے بھریا'' (۴۲)

اللہ کے بندوں سے محبت اور پھر ان کے کام آنا علامہ اقبال اور میاں محمد بخش کے نزدیک روحانی مرتبے تک فائز ہونے کے لیے ضروری ہے۔ اقبال کی عملی زندگی اخلاق کا نمونہ تھی۔ آپ کے مزاج میں بے نیازی تھی۔ آپ سے امیر، غریب، اعلیٰ و ادنیٰ ہر شخص بغیر کسی رکاوٹ کے مل سکتا تھا۔ میاں محمد بخش نے اپنی ساری زندگی لوگوں کی مادی اور روحانی ضرورتیں پوری کرنے میں وقف کر دی۔ غریبوں کی مالی مدد کرتے، حج کرنے کے لیے لوگوں کو پیسے دیتے۔ جو لوگ بوڑھے اور ناچار ہوتے ان کے گھر کاٹ کر ایندھن پھینک آتے اور اس طرح کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ بقول اقبال:

''ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے''(۴۳)

میاں محمد بخش فرماتے ہیں:

''اساں تُساں مرجانا جیونکر توڑوں ہوندی آئی
دنیا تے رہ جاسی بیٹا بھلیاں دی بھلیائی''(۴۴)

علامہ اقبال کی آمدنی زیادہ نہیں تھی۔ لیکن وہ صبر و شکر کے ساتھ اپنی آمدنی میں ہی گزارا کرتے تھے۔ کفایت شعاری نے انہیں احسانِ غیر سے بچائے رکھا۔ میاں محمد بخش کی درویشی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ حاکمان وقت سے دور رہے۔ کئی حکمرانوں نے آپ کو تحفے دیئے لیکن آپ نے ان کی پونجی لنگر میں ڈال دی۔ اقبال نے تعلیم کا مقصد تعمیرِ سیرت و کردار کو قرار دیا۔ علم کی بدولت انسان کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہوئی۔ اقبال کہتے ہیں:

''تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں''(۴۵)

میاں محمد بخش کے نزدیک لوگوں کے دکھ درد میں شامل ہونا ضروری ہے اور مشکلات سے نہیں گھبرانا چاہیے:

''دنیا تے جو کم نہ آیا اوکھے سوکھے ویلے
اس بے فیضی سنگی کولوں بہتر یار اکیلے''(۴۶)

''کنڈلے سخت گلاباں والے دوروں ویکھ نہ ڈریے
چوہباں جھلیے رت چوایئے جھول پھلیں تد بھریے''(۴۷)

علامہ اقبال کا فلسفہ خودی بھی تقویت سخت کوشی سے حاصل کرتا ہے:

''تمنا آبرو کی ہو اگر گلزار ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خُو کر لے''(۴۸)

میاں محمد بخش کے نزدیک لوگوں سے گفتگو ان کے ذہنی معیار کے مطابق کرنی چاہیے اور زندگی سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے:

''عاماں بے اخلاصاں اندر خاصاں دی گل کرنی
مٹھی کھیر پکا محمد کتیاں اگے دھرنی''(۴۹)

''رَل مِل آوَ دوستو بیٹھو مجلس لا
اساں تُساں مرجاوناں سر پر کھلی قضاء''(۵۰)

''اوّل و آخر فنا ، ظاہر و باطن فنا
نقشِ کہن ہو کہ نَو ، منزل آخر فنا''(۵۱)

ماحصل

☆ میاں محمد بخش اور محمد اقبال کثیر الجہت، باکمال اور صوفی شاعر تھے۔ دونوں کا تعلق کشمیر سے ہے۔ میاں محمد بخش نے پنجابی زبان میں اقبال سے ربع صدی قبل عزم و ہمت کا درس دیا۔
☆ دونوں کی نگاہ میں تصوف لوگوں میں عزم و ہمت پیدا کرتا ہے۔
☆ تصوف کا نصب العین قلوب کی تطہیر اور سیرت کی تعمیر ہے۔
☆ دونوں تصوف کے سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔
☆ دونوں کے فلسفہ میں تلاش حق بنیادی نکتہ ہے۔
☆ دونوں عقل اور عشق کے معرکے میں عشق کو ترجیح دیتے ہیں۔
☆ مرد کامل کے لیے دونوں نے اونٹ کی مثال بیان کی ہے جو مطیع و فرمانبردار اور محنت شعار ہے۔
☆ دونوں کے نزدیک فقر مسلمان کی میراث ہے۔
☆ دونوں کی شاعری کا مقصد انسان کی سیرت و کردار ہے۔ دونوں کا مخاطب انسان ہے۔
☆ دونوں شعرا کے کلام میں گہری فکری مماثلت پائی جاتی ہے۔ مولانا رومؒ اور علامہ اقبالؒ کے درمیان میاں محمد بخش ایک اہم کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ عابدہ خاتون، علامہ اقبال اور میاں محمد بخش کے افکار و نظریات کا تقابلی جائزہ، لاہور: مکتبہ جمال، ۲۰۱۵ء، ص:۹

۲۔ غلام حسین اظہر، ڈاکٹر، میاں محمد بخش، بھمبر: اقراء پبلشرز، باراول، ۱۹۸۰ء، ص:۱

۳۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع اول، ۱۹۸۹ء، ص:۴۵۔۴۴

۴۔ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، مظفر آباد: نظامت اوقات آزاد کشمیر، ۱۹۹۴ء، ص:۹۰

۵۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، لاہور: شیخ غلام اینڈ سنز پبلشرز، اشاعت سوم، ۱۹۷۵ء، ص:۴۵۲

۶۔ ایضاً، ص:۶۸۶

۷۔ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص:۱۷

۸۔ محمد اقبال، کلیات اقبال، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، ۱۹۷۳ء، ص:۴۴۰

۹۔ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص:۲۴۴

۱۰۔ ایضاً، ص:۶

۱۱۔ محمد اقبال، کلیات اقبال، ص:۸۵

۱۲۔ ایضاً، ص:۸۵

۱۳۔ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص:۲۴

۱۴۔ ایضاً، ص:۴۲

۱۵۔ محمد اقبال، کلیات اقبال، ص:۶۳۷

۱۶۔ عبدالحکیم، خلیفہ، ڈاکٹر، فکر اقبال، لاہور: بزم اقبال کلب روڈ، طبع اول، ۱۹۸۳ء، ص:۲۵۸

۱۷۔ محمد خلیل ثاقب، میاں محمد بخش ایک آفاقی شاعر، دینہ: چودھری برادرز پبلشرز جہلم، ۱۹۹۸ء، ص:۹۲

۱۸۔ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص:۲۷

۱۹۔ ایضاً، ص:۲۷

۲۰۔ محمد اقبال، کلیات اقبال، ص:۴۱۸

۲۱۔ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص:۸۰

۲۲۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، ۱۹۷۳ء، ص:۶۶۳

۲۳۔ ایضاً، ص:۲۱۱

۲۴۔ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص:۳۴

۲۵۔ ایضاً، ص:۳۵

۲۶۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، ص:۱۵

۲۷۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص:۴۵

۲۸۔ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص:۱۱

۲۹۔ ایضاً، ص:۶

۳۰۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص:۳۰۲

۳۱۔ ایضاً،ص:۳۴۶

۳۲۔ ایضاً،ص:۳۴۷

۳۳۔ محمد بخش، میاں، سیف الملوک،ص:۳۵

۳۴۔ ایضاً،ص:۴۳

۳۵۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)،ص:۳۱۶

۳۶۔ محمد بخش، میاں، سیف الملوک،ص:۳۵

۳۷۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)،ص:۱۶۶

۳۸۔ محمد بخش، میاں، سیف الملوک،ص:۳۳

۳۹۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)،ص:۱۰۴

۴۰۔ ایضاً،ص:۳۱۹

۴۱۔ محمد بخش، میاں، سیف الملوک،ص:۳۵۹

۴۲۔ ایضاً،ص:۵

۴۳۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)،ص:۳

۴۴۔ محمد بخش، میاں، سیف الملوک،ص:۴۱۵

۴۵۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)،ص:۵۴۴

۴۶۔ محمد بخش، میاں، سیف الملوک،ص:۲۳۹

۴۷۔ ایضاً،ص:۱۳۲

۴۸۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)،ص:۲۵۰

۴۹۔ محمد بخش، میاں، سیف الملوک،ص:۲۴۲

۵۰۔ محمد بخش، میاں، شیریں فرہاد، میر پور: مکتبہ رضوان آزاد کشمیر، ۱۹۷۸ء،ص:۲۲

۵۱۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)،ص:۳۸۶

☆......☆......☆